مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی
دفتر ملی کونسل صوبہ دہلی

اسلامی نظام زندگی اور مدارس دینیہ کا کردار

نور، ہدایت کی شعاعوں سے کفر، الحاد شرک اور ظلم واستبداد کی چھٹتی ہوئی ظلمت نے انسانوں کو اسلام کی حقانیت کی طرف متوجہ کردیا ہے اور محرومی ویاس کی گرداب میں غوطہ لگاتی انسانیت اپنے دلوں میں امید کی کرن محسوس کررہی ہے، اور دنیا کی نگاہیں اسلام کی طرف مرکوز ہیں۔

اسلامی فتح وظفر اور خدائی نصرف وتائید کا تشکر یہ ہے کہ ان حقانی افکار کے شیوع کی ذمہ داری کا احساس علماء حقانی اپنے دلوں میں پیدا کریں۔ کیونکہ پورے صبر واستقامت ثبات پامردی یقین محکم اور جہد پیہم کے ساتھ معاشرہ انسانی کی تعمیر اسلامی فکروں کی بنیاد پر کرنے اور قانون شریعت کی راہ پر گامزن کرنے کی ذمہ داری کا حق علماء ربانی کے سوا امت کا کوئی دوسرا طبقہ نہیں ادا کرسکتا ہے۔

یہ اس لئے کہ ہر انفرادی واجتماعی انقلاب انہیں فکری بنیادوں کا آئینہ دار ہوتا ہے جو اس فرد یا معاشرے کے ذہن وفکر میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب تک انسان کے ذہن میں ایسی فکری بیداری کا نور اپنی ضیاپاشیاں نہیں کرتا اسلامی نظام زندگی کے لئے راہ ہموار نہیں ہوتی اور جب تک اسے فکری انقلاب کی تحریک شروع نہیں ہوتی انسانیت کی کشتی ظلم واستبداد کے طوفانوں میں تھپیڑے کھاتی رہتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی نظام زندگی کی آواز طوطی بہ نعرا ہے۔ اس لئے کہ جو کان ہنگاموں کے عادی ہوتے ہیں ان پر طوطی کی نرم ونازک آواز کا اثر نہیں ہوتا۔

ع مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر

زاغ وزغن کی پکار کے خوگر صوت بہزاد کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔ طوفانوں سے لطف لینے والے موجوں کی لطافت محسوس نہیں کرتے، کانٹوں میں الجھنے والے پھول کی نزاکت نہیں جانتے، لیکن جیسے جیسے قوت احساس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ جذبات و عواطف کی لطافت بڑھتی جائے گی اور سماج و ماحول سے دبی ہوئی فطرت اپنا پیغام دے کر رہے گی۔

تاریخ کا ایک مسلم قانون "جبر تاریخ" یعنی تاریخ اپنے مخصوص قوانین کے تحت آگے بڑھتی ہے اس کے قوانین کسی شخص کے تابع نہیں اور نہ وہ کسی کی مرضی کا پابند ہے۔ اس پر کسی جابر و قاہر کا جبر نہیں وہ خود اپنے جبر سے ہر طاقت کو دبا دیتی ہے اور جبر تاریخ کے کرشمے دنیا نے بڑھا دیکھے ہیں۔ بہت سے ملکوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں نے ایک لمحہ کے لئے سوچا تھا کہ ان کی سلطنت جا بھی سکتی ہے اور اس حکومت کو زوال بھی آسکتا ہے۔ مگر جبر تاریخ نے اپنا کرشمہ دکھایا کتنوں کے تاج سلطانی ٹھوکروں میں آگئے اجور کتنے تاج و تخت سے محروم ہو کر کاسہ گدائی لینے پر مجبور ہو گئے۔

جذبہ نوجوا اٹھا وقت کے دھارے کی طرح
تخت سیلاب میں بہنے لگے تختے کی طرح

تاریخ شاہد ہے کہ کسی آواز کو کمزور یا کسی طاقت کو ضعیف سمجھنا انتہائی بھول ہے۔

آواز میں سنجیدگی اور طاقت میں متانت ہو تو ایک نہ ایک دن انسانوں کا حقیقت پسند طبقہ اس کی حمائت کے لئے تیار ہو ہی جاتا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ لوگ جن کا مقدر غلامی اور جن کی قسمت بادشاہوں کی جوتیوں سے لگی ہوئی تھی۔ وہی تاج و تخت کے مالک اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے بن گئے۔

غربت و افلاس کو اپنا مقدر سمجھ کر کاہلی و بے حسی کو قناعت کا نام دینے والے بھی آج بیدار ہو کر زندگی کی دوڑ میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جب بھی سسکتی اور تڑپتی انسانیت میں زندگی کی صحیح روح پھونکی گئی ہے انسانیت جاگ کر اپنے مقصد زندگی اور نصب العین کے لئے ہر طرح مستعد اور چاق و چوبند ہو گئی ہے۔

آج انسانیت تاریخ کے اس موڑ پر کھڑی ہے جہاں اس کی رہنمائی اور قیادت کے لئے علماء حقانی کو ماضی کے مقابلہ کہیں زیادہ حساس اور علم واخلاق سے مسلح ہو کر میدان میں سرگرم عمل ہونے کی ضرورت ہے اور ہمہ جہتی کوششوں کو بار آور کرنے کے لئے پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ خدا کی بخشی ہوئی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی حاجت ہے۔

حوصلہ شکن حالات میں تابناک مستقبل

کاروان ملت کے لئے حالات کا موجودہ انداز اگرچہ پریشان کن اور بظاہر حوصلہ شکن ہے مگر مستقبل انتہائی تابناک اور امید افزا ہے اس لئے کہ ان حالات نے اتنا ضرور ثابت کر دیا ہے کہ دور حاضر کا انسان نہ تو بے جان بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے تیار ہے نہ بے عمل انسانوں کی عظمت کا قائل ہے۔ اب کسی عظمت کا بت نہیں پوجا جا سکتا اور نہ کوئی انسان کسی کو بلا وجہ اپنی بالاتری کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔ اب زمانہ "عقل وہوش کا ہے نسل نو" دعوت فکر وعمل چاہتی ہے، الفاظ کا جادو انہیں نہ تو مسحور کر سکتا ہے اور نہ پر فریب نعروں سے انہیں بہلایا جا سکتا ہے۔

تاریخ نے دولت کے اصل چہرے سے نقاب کشائی کر کے اس حقیقت کو بھی واشگاف کر دیا ہے کہ دولت کار بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مزدور کی زندگی سرمایہ دار کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ سرمایہ دار کی حیات وکائنات مزدور کے دست وبازو سے وابستہ ہے۔ وہ دور لد گیا جب ایک مزدور سرمایہ دار کو اپنی قسمت کا مالک سمجھتا تھا اور اس کے ہاتھوں ملنے والی مزدوری کو دست خدائی تصور کرتا تھا۔

سرمایہ دار کے خلاف آواز دست رزق سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مرادف تھا لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ مزدوروں کی آواز سے سرمایہ داروں کے ناطقے بند ہو گئے، اور ان کی آہوں سے دولت مندوں کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی، اور بندگی وغلامی کی زنجیروں کو انہوں نے توڑ کر آزادی حاصل کر لی۔ ع

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے ایک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

اور ظالم سرمایہ داروں کے ظلم وجبر پر مظلوموں کی آہ وفغاں نے خاتمہ سرمایہ داری کا نقارہ بالآخر بجا کر چھوڑا اس لئے کہ ظلم کی کوئی صورت کا انجام زوال ہے۔ علامہ جزری نے ایک مظلوم کی آہ کا نقشہ عجیب انداز میں کھینچا ہے۔

الاقولا لشخص قد تقوی		علی ضعفی ولم یخشی رقیبہ
خبات لہ سہامافی اللیالی		وارجو ان تکون لہ مصیبہ

سن لو ظالم سے کہہ دو جو جری بنا ہوا مجھے کمزور سمجھ کر اپنے حقیقی نگہبان سے بے خوف نہ ہو جائے میں نے راتوں میں بیٹھ کر ایسے دعاؤں کے تیر اس کے مقابلہ کے لئے پوشیدہ طور پر تیار کر رکھے ہیں اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ ان تیروں کا نشانہ ضرور لگے گا۔

موجودہ ناقص نظام کے مقابلہ میں مکمل اسلامی نظام زندگی

موجودہ عالمی نظام جو قرآنی ہدایت اور الہامی روشنی سے دور ہٹ کر وضع کئے گئے ہیں اور یہ کہنا چاہئے کہ خواہ وہ شوشلزم یا جمہوریت یا سرمایہ داری نظام ہو سبھی باطل اور روضعی نظام ہیں جو الہامی نظام کے یکسر منافی ہیں ان کے مدروجزر اتھل پتھل اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ انسانی زندگی کے مسائل کا یہ حل نہیں بن سکتے۔ مگر چونکہ وہ اس طرح رائج اور ذہنوں کو ان سے مانوس کر دیا گیا ہے کہ ان نظام ہائے باطل کے مقابلے میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام ہی مکمل نظام حیات ہے۔ تو یہ دعوئی اہل باطل اور اسلامی نظام سے غیر متعارف اور غیر مانوس ذہنوں کو اجنبی سا لگتا ہے اور اس دعوئی کو وہ مہمل تصور کرتے ہیں۔

لیکن اب تاریخ کے پے درپے انقلابات نے سوئے ہوئے ذہن کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ اب ضرورت صرف اتنی ہے کہ اسلام کے عادلانہ اور حقیقت پر مبنی نظام کو سنجیدگی سے معقول انداز میں پیش کیا جائے کام متوازن اور پر مغز کیا جائے تو قبول کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ع

اٹھ کہ دنیا میں تیرے دور کا آغاز ہے		اب زمانہ کا اور ہی انداز ہے

صرف اسلام ہی ہر شعبہ زندگی کا حل ہے

لوگ یہ سوال کرتے ہیں اور معقول سوال ہے کہ موجودہ مسائل کے طوفان میں کیا اسلام مکمل حل بن سکتا ہے، اس کا جواب عام فلسفہ کی روشنی میں بھی دیا جاسکتا ہے اور خالص اسلامی انداز میں بھی۔

اسلامی انداز میں تو آسانی سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے مکمل نظام حیات کا تصور ان تمام شر پسند عناصر کا جواب ہے جو اسلام کے دین کامل ہونے کا مذاق اڑاتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف نماز روزے اور صرف عبادت کا مذہب ہے، اس کا عالمگیر دستور اور جامع قانون زندگی کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہوسکتا جبکہ اس کے پاس مارکس جیسا معاشی فلسفہ ہے اور نہ یورپین مفکرین جیسا فلسفہ حیات،

حقیقت کی طرف

میں اپنے ان دوستوں سے کہوں گا کہ کسی نظام زندگی کے بارے میں قطعی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کی خوبیوں اور خرابیوں کی تحقیق اس کا تجربہ اور تجزیہ ضروری ہے۔ میں پھر کہتا ہوں اور پورے اطمینان قلب اور یقین کے ساتھ کہ اسلام کے دامن میں ہر شعبہ زندگی کا حل موجود ہے۔ اس نے زندگی کی ہر بیماری کا علاج مہیا کیا ہے یہ اور بات ہے کہ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے کم لوگوں نے پہچانا اور اس کی ہمہ جہتی چہرہ کا عرفان کم لوگوں کو ہوا جو پورے طور پر فلسفہ حیات کو پیش کرتا ہے۔

اور اس مقام پر اپنے رنج در د دروں کا اظہار کرتے ہوئے عرض کروں تو حرج نہیں ہے کہ اسلام کے پیش کرنے والے مفکرین نے بھی اس انقلاب انگیز ترقی یافتہ دور میں زندگی کے اٹھنے والے مسائل کا حل اسلام میں ڈھونڈھ کر پیش کرنے کے بجائے فرار کی راہ میں انہوں نے عافیت سمجھی اور اس کے محدود تصورات ہی پر اکتفا کر لیا بڑے ادب واحترام کے ساتھ ان مقدر ہستیوں کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جن کے مبلغ علم وسعت مطالعہ اور

درک کتاب وسنت پر ہمیں مکمل اعتماد اوران کے رسوخ فی العلم کا کامل ایقان ہے کہ وہ موجودہ چیلنج کو سمجھنے کی طرف اپنی توجہات مبذول فرمائیں اور دنیائے زندگی میں نئے ابھرتے ہوئے مسائل اور باطل نظام کے مقابلے میں اسلام کو ایک مکمل زندگی کے قانون کی صورت میں صرف پیش ہی نہیں اس کے اصولوں کی تنفیذ کے لئے کوشاں ہوں۔ انجام خدا کے ہاتھ میں ہے کوشش کے ہم مکلف ہیں۔ جس خدا کی زمین ہے اور جو کائنات کا حقیقی مالک ہے کیا ہم اس کی طرف سے آئے ہوئے قوانین کے نفاذ کے لئے جدوجہد بھی نہیں کر سکتے اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنی صفوں سے بالاتر ہو کر سوچیں اور ذاتی منفعت و مفاد سے صرف نظر کر کے ہم دنیا کے چیلنجوں کو قبول کرنے اور دنیا کے سامنے زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے قوانین کو پیش کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو ملکوں کا دستور کتاب وسنت قرار پائے گا اور اس روئے زمین پر مالک حقیقی کا قانون نافذ ہو کر رہے گا اس لئے اب تک جتنے نظام آئے ہیں ان کی ناکامی دنیا کھلی آنکھوں دیکھ رہی ہے۔ اور انسان کو ان جملہ نظام ہائے باطل میں سوائے ضیق و تنگی بے چینی واضطراب ظلم وزیادتی کے سوا کچھ نہیں مل سکا۔

اب وقت آگیا ہے اس مضطرب انسانیت کو امن وسکون دینے والے نظام عدل وانصاف پر مبنی جامع دستور حیات کی روشنی دکھائیں۔ خدا کی قسم الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کا یہی مفہوم ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ دین مکمل جس پر انسانیت کے لئے خدا نے اپنی نعمتوں کا اتمام کر دیا وہ دین حق ہے۔ جس میں زندگی کے تمام شعبوں عبادت اخلاقیات معاشیات معاشرت حکومت اقتدار تدبیر مملکت غرض کہ کوئی شعبہ نہیں جس کو اسلام نے تشنہ چھوڑا ہو یہی انسان کو حقیقی سکون دے سکتا ہے اور اسی میں سماجی انصاف مل سکتا ہے۔ یہی صحیح معنوں ایک مظلوم کی اشک شوئی کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ سارے نظام باطل ہیں۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین آخرت کا خسارہ اس پر ہی صرف نہ ہو گا کہ اس کا معتقدات پر ایمان کامل نہ تھا اس کا نظام عبادت بہت مستعد نہ تھا بلکہ آخرت کا خسران اس پر بھی ہو گا کہ دنیا میں تجارت معیشت معاشرت

حکومت و حکمرانی کا نظام غیر اسلامی تھا جس کے لئے ہم تیار تھے یا جس پر ہم خاموش تھے۔

یہ بہت ہی اہم فکر ہے کاش ارباب مدارس اس پر غور فرماتے اور دنیا کے اس چیلنج کو قبول کر کے دوش بدوش ہو کر اس کے لئے جدوجہد کرتے، اور ہمارے مدارس اور ارباب مدارس میں توافق کا ماحول پیدا ہو جاتا۔ یہ کام اتنا اہم ہے کہ اس کی اہمیت کا احساس کروڑوں انسانوں کی نجات اور ملت اسلامیہ کے لاکھوں نونہالوں کے تابناک مستقبل کی فکر سے دبا ہوا طبقہ ہی کر سکتا ہے۔

آزاد فضا میں غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے والا اس گھٹن کا اندازہ نہیں کر سکتا پر سکون ماحول میں سانس لینے والا اس ذہنی پریشانی کو کس طرح محسوس کر سکتا ہے۔

یہ احساس اس کی سعادت ہے جسے فطرت نے درد اور بشریت نے احساس دیا ہے۔ یہ اندازہ اس کا حصہ ہے جسے حالات نے تڑپ اور تڑپ نے قوت اظہار دی ہے۔

اب دور حاضر کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ اسلام کا دامن وسیع ہے، لیکن تنگی نظر اور کوتاہ بینی نے دنیا کو ان حقائق سے محروم کر رکھا ہے، اور آج بھی وہ اسلام کی گہرائی میں اترنا چاہیں تو یقیناً زندگی کے ہر مسئلے کا حل اسلام میں مل سکتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ معاشی حالات نے انسان کو حقیقت سے اتنا لاتعلق اور کاہل بنادیا ہے کہ مشکل کام کرنا تو بڑی بات ہے۔ مشکل بات کا سننا بھی ناگوار ہے، نفس کی تسکین اور نظر کے فریب ہی کو زندگی کا حاصل سمجھ لیا گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ذہن سمجھنے سے قاصر اور دماغ فہم و فکر سے عاجز ہو گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ حالات سے تھکا ہوا انسان بہلاؤں کی چھاؤں میں پناہ لینا چاہتا ہے اور محنت کے بجائے راحت و آرام کا خواہاں ہے مشکلات کو حل کرنے کے بجائے سہل انگاری اس کا مزاج بن گیا ہے۔

خطرات اور ہماری ذمہ داری

اس ذیل میں ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے ادھر کچھ عرصے سے سماج کے بعض ہندو عناصر مسلمانوں کے بعض مخصوص قوانین میں ترمیم کر کے ان کی جگہ مشترکہ

قوانین کی تنفیذ کے لئے بضد ہیں، جن کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے بھی صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے۔ دور حاضر میں ناچیز راقم نے جہاں تک سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اس پورے احتجاجی کوششوں میں مسلمانوں نے مسئلہ کی روح کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ کوئی مسئلہ جذبات کی بنیاد پر حل نہیں ہوا کرتا۔

اور میں اس لئے یہ عرض کر رہا ہوں کہ جب تک مسئلہ میں مسلم غیر مسلم کا تفرقہ باقی رہے گا مخالفین کو سیکولرزم کے حوالہ سے صدائے احتجاج کے اثرات ختم کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔

اگر غور کیا جائے تو مسئلہ کی روح حکومت وقت کے سامنے نئے انداز میں پیش کرنے اور ارباب حکومت کو وقت کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے عالمی فسا کو مٹانے کی کوشش کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ گذشتہ دور غلامی نے مسلمانوں کے ذہن کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ مسلمان حکومت وقت کے جملہ قوانین پر عمل کرنے کے بعد صرف نکاح وطلاق اور میراث ووقف وغیرہ جیسے معدودہ مسائل کو ہی مخصوص اسلامی قانون سمجھ کر احتجاج کر رہا ہے اسے یہ احساس ہی نہیں کہ اس طرح وہ غیر شعوری یا شعوری طور پر اسلام کے ایک محدود نظریہ زندگی ہونے کا دنیا کے سامنے اعلان کر رہا ہے ہمیں چاہئے کہ ایوان حکومت سے یہ کہا جائے کہ 'اسلام کے ضابطہ حیات کو مسلمانوں کا مخصوص قانون قرار دینے کے بجائے ایک عام دستور زندگی سمجھ کر زندگی کے تمام شعبوں میں اسے اسی طرح منطبق کیا جائے جس طرح دوسرے قوانین منطبق کئے جاتے ہیں۔"

اور اگر انگریزی قوانین کے نفاذ سے ملک انگریزی نہیں ہو جاتا، کمیونزم کے اصولوں سے ملک کمیونسٹ نہیں ہو جاتا۔ سرمایہ داری کے نظام اپنانے سے ملک کی حریت وجمہوریت پر آنچ نہیں آتا تو اسلامی زندگی کے رائج کرنے سے جمہوریت کیسے متاثر ہو جائے گی۔ بہر اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک امتیازی فرق یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس زندگی کا مکمل فلسفہ نہیں ہے۔ مگر اسلام کے پاس مکمل فلسفہ زندگی اور دستور حیات موجود ہے اس لئے انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ کم از کم ایک مختصر وقت کے لئے ہی تجرباتی طور پر اس کے قوانین کو

سماج پر منطبق کیا جائے اگر اس کے نتائج امید افزا بر آمد ہوتے ہیں تو اس کو آخری قانون قرار دے دیا جائے۔

انسانوں کی ابتری اور تباہی کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ مذہب کو ہوا بنا کر میدان عمل سے دور کر دیا گیا ہے اور خود ساختہ اصولوں کو انسانیت کا معیار نجات قرار دے دیا گیا ہے۔

ملوکیت کی جگہ پر جمہوریت سرمایہ داری کے بجائے اشتراکیت کی ضرورت اسی لئے دنیا نے محسوس کی کہ ملوکیت کے مفاسد و مظالم نے جمہور کو آواز بلند کرنے پر مجبور کیا اور سرمایہ داری کے لوٹ مارنے مزدوروں کو اپنے حقوق کے مطالبہ پر آمادہ کیا اور دنیا نے ملوکیت و سرمایہ داری کے مفاسد و مظالم کو ایک زمانے تک جھیلنے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ انسانیت کو نظام امن واطمینان عدل وانصاف دے سکتے۔

اب کوئی وجہ نہیں کہ ان باطل نظریات کی بنیاد پر رائج کئے گئے ناقص نظاموں سے اکتائی دنیا کو اسلام کے عادلانہ نظام کا سایہ مل جاتا ہے تو اس سائے سے صرف اس لئے فرار اختیار کرے کہ اس کا نام "مرغوب خاطر" نہیں ہے۔ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے ٹھوکر کھا کر گرنے والا اپنے سر کو بچانے کے لئے ہاتھ ٹیک دیتا ہے۔

اس نظام اسلام کو لاگو کرنے اور اسلامی قانون زندگی کی تنفیذ سے گھبراہٹ عام انسانوں کو نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے وہ سرمایہ دار جنہوں نے پوری دنیا کے اقتصادیات پر پنجہ گاڑ دیا ہے اور جن کے قبضے میں مالیاتی ادارے ہیں، وہ اپنی گرفت سے کسی وقت بھی جس ملک کو چاہتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق گھما دیتے ہیں جس ملک کو اٹھانا چاہتے ہیں اٹھا دیتے ہیں، اور جس ملک کو گرانا ہو معاشی بحران پیدا کر کے اپنی پالیسی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

سخت افسوس اس بات پر ہے کہ مسلم حکومتیں حتی کہ سعودی عربیہ وغیرہ بھی اس گرفت سے آزاد نہیں ہیں اور تمام ملکوں کو ان مٹھی بھر انسانیت کے دشمن سرمایہ داروں نے

معاشیات پر کنٹرول رکھنے کے ذریعہ بوتل میں اتار رکھا ہے۔اور ظاہر ہے بوتل میں اتارنے کے بعد جب چاہیں اس پر ڈھکن لگا سکتے ہیں۔

امریکا میں گو عیسائی اکثریت میں ہیں مگر حکومت واقتدار اور حکومت کی پالیسی یہودیوں کی مرضی سے بنتی ہے، اسی طبقہ کی پشت پناہی سے اسرائیل تمام عرب ملکوں پر گھنٹی بجایا کرتا ہے۔اور پھر ہمارے اس ملک کے اسرائیل کے ساتھ جدید معاہدات نے کس حد تک یہودی پالیسیوں پر عمل کرنے کا پابند کردیا ہے۔اسی سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے اور اس ذیل میں آپ غور فرماسکتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر اسلامی تحریکوں دینی اداروں اور دینی مدارس تعلیم گاہوں اور ملی تنظیموں کے سلسلے میں حکومت ہند اسرائیل اور یہودی پالیسی کے تحت دباؤ سے کس طرح کی ترجیحات اختیار کرسکتی ہے، اور جب کہ پہلے سے اسلام اور مسلمان ان یہودیوں کے لئے کباب کی ہڈی رہے ہیں۔

مومن کی فراست ایمانی جس سے دنیا کانپتی تھی خدا کے فضل سے ہمارے دینی مدارس کے ذمہ داروں اساتذہ کرام اور ہماری ملت کے رہبروں علماء و مشائخ عظام اس دولت سے وافر حصہ میں بہرہ ور ہیں اور دینی بصیرت سوز دروں ملت کا بھرپور درد رکھنے والے روشن ضمیر حضرات علماء کرام کی ان حالات میں کیا کچھ ذمہ داری ہوتی ہے۔

یقین جانئے دینی مدارس کا ماضی میں جو رول رہا ہے، اور دینی مدارس نے علم حریت لیکر میدان کارزار میں مجاہدانہ داخل ہونے والی جو فوج تیار کی ہے، اور دینی مدارس نے ماضی میں انسانیت کو امن وسلامتی عدل وانصاف کا پیغام دیا ہے، اور میزان عدل قائم کرنے میں جو کلیدی رول ادا کیا ہے، ملت کی پاسبانی اور حفاظت کا فریضہ ادا کیا ہے۔یہ زریں تاریخ اسلام دشمن عناصر کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو انہیں بوریہ نشینوں نے زیر زمیں دفن کردیا ہے مغرب کے سمندر میں اٹھنے والے الحاد وزندیقیت ارتداد ودہریت کے ہر طوفان دتھپیڑے ان دینی مدارس کی دیواروں سے ٹکرا کر ختم ہوگئے ہیں۔۱۸۵۷ کا غدر ہو کہ تحریک آزادی غلامی کی

زنجیروں کو توڑ دینے اور حصول آزادی کی روح عوام میں پہنچانے کا فریضہ انھیں دینی مدارس نے ادا کیا ہے۔ دار ورسن ہو کہ انڈمان ومالٹا کی قید وبند علماء کرام نے ہنستے ہوئے ان کا استقبال کیا ہے ہماری اس روشن تاریخ کے تناظر میں وہ فیصلہ کر سکتے ہیں اور ہمارے دینی مدارس کے بارے کیا کچھ وہ سازشیں کر سکتے ہیں۔

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے ۱۸۵۷ء میں یہاں کے برٹش سیاسی رپورٹر نے حکومت برطانیہ کو جب اپنے رپورٹ میں یہ لکھا کہ اب ہمارا اقتدار ہندوستان میں دو وجہوں سے قائم نہیں رہ سکتا۔

ایک دینی مدارس۔ دوسرے دینی علماء

اس لئے کہ مسلمان بیدار ہو چکے ہیں اور ان کی بیداری ان کی مذہبی کتاب قرآن اور ان دینی مدارس کے علماء کی وجہ سے ہے اس لئے کہ خالق کائنات کی کتاب انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف خدائے وحدہ لاشریک کی غلامی کی دعوت دیتی ہے اور ان دینی مدارس کے علماء غلامی کو موت پھانسی دار ورسن سے زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں اور پھر اسی رپورٹ پر حکومت برطانیہ نے دینی مدارس کو تاخت وتاراج کر دینے اور علماء کرام کو پھانسی دے دینے کی ہدایت جاری کی، اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۷ء تک کا دور کیسا خونین گزرا سولہ ہزار علماء کرام کی گردنیں اڑائی گئیں۔ لاہور کی جامع مسجد میں پھانسی کا تختہ لٹکایا گیا اور اس کے نیچے آگ کا الاؤ جلایا گیا اور اسی حالت میں کسی عالم کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا جاتا تو کسی دوسرے کو جلتے ہوئے الاؤ پر لٹایا جاتا اور تیسرے عالم کو مذاق اڑاتے ہوئے کہا جاتا کہ کہاں ہے تمہارا خدا جو تمہاری حفاظت کرتا ہے، اور برٹش کی اسی ہدایت پر صرف دہلی کے اندر ایک روز میں ایک ہزار مدرسوں کی تخریب کاری ہوئی، اس وقت تاریخ آزادی کو دہرانا مقصود نہیں ہے، بلکہ آپ کے اسلاف کی ملک وملت کے لئے قربانیوں کی روشن تاریخ کی ایک جھلک صرف پیش کر کے یہ ظاہر کرنا تھا کہ جس قوم نے اسلام کو کبھی بھی پسند نہیں کیا وہ اسلام کے داعیوں اور اسلام مراکز اور دینی درس گاہوں کے

لئے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھ سکتے ہیں۔

اس وقت بھی ہم حالات کے اس موڑ پر ہیں جہاں حکومت ہند یہودی لابی کے زیر اثر ہمارے دینی مدارس کے سلسلے میں گہری سازشیں اور ان کی تخریب کاری کے لئے اندر خانہ (Under Ground) پروگرام بنا رہی ہے۔

ہمیں اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ شاطر دشمن ہماری صفوں میں کبھی بھی اتحاد کو پسند نہیں کرتے رہے ہیں اور مختلف حکمت عملی سے تفریق انتشار اور اختلافات کو ہوا دے کر اس انتشار کا بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔

اس میں ایک طرف تو ہماری توانائیاں ان کے لئے خطرہ بننے کے بجائے آپس میں ختم ہوتی رہی ہیں اور دور سے ہمارے ان اختلافات کو دیکھ کر مطمئن اپنی کمین گاہ میں مسکراتے رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ وہ کسی وقت میں کسی کی موافقت کر کے اس کو شہ دے کر اپنے ہی دوسرے ہاتھ کو نقصان پہنچانے کی پالیسی پر عمل کرتے رہے ہیں۔

کبھی وہ ایک دوسرے پر ہاتھ ڈالتے رہے ہیں یہ وہ تدبیریں رہی ہیں جن کا اندازہ ہم ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کے مختلف ادوار سے کر سکتے ہیں۔ وقتی اور عارضی طور پر اپنے سیاسی مفادات اور مصلحتوں سے بسا اوقات ہمدردی کا اظہار کر دیا جاتا ہے یا بعض موقعوں پر انصاف کے مطالبوں میں ہمارے ہمدوش بھی ہو جاتے ہیں تو اس سے ملت کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، اس لئے کہ کسی حکیم نے نہایت معقول بات کہی ہے۔

"دشمن کے حسن سلوک پر کبھی بھروسہ مت کرو، کیونکہ پانی کو آگ سے کتنا گرم کیا جائے پھر بھی وہ اس کو بجھانے کے لئے کافی ہے۔" ع

ریاض جس سے بڑھائے تھے دوستی کے ہاتھ
اسی کے ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے